انتقاد

آپ بیتی
(حصہ دوم)

تصنیف ظفر حسن ایبک کیپٹن آرٹلری (ریٹائرڈ) ٹرکش آرمی استنبول (ترکی)۔
ناشر منصور بک ہاؤس، کچہری روڈ۔ انار کلی لاہور، قیمت چار روپے۔

'آپ بیتی' کا حصہ اوّل دو سال پہلے شائع ہوا تھا، یہ کتاب غیر معمولی تاریخی اہمیت کی حامل ہے، آج سے باون ۵۲ سال قبل مصنف جناب ظفر حسن صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور کے چند ساتھی طالب علموں کے ساتھ اپنے وطن کو خیر باد کہا۔ اور اس مقصد سے وہ افغانستان پہنچے کر وہاں سے وہ ترکی جائیں گے، اور ترکوں کے ساتھ ہو کر برطانیہ سے لڑیں گے۔ اس وقت پہلی جنگِ عظیم ہو رہی تھی اور برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں ترکوں کے حق میں بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔

طالب علموں کا یہ قافلہ افغانستان پہنچا، تو افغان حکومت نے انہیں حراست میں لے لیا، مصنف اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہم (جلال آباد میں) رات کو رباط آکر سو رہے، لیکن صبح کے قریب جب رحمت علی اور عبدالرشید وضو کے لئے رباط سے باہر نکلنے لگے تو اُن کو ایک سپاہی نے جس کی بندوق پر سنگین (برچھی) لگی ہوئی تھی، روکا اور سنگین کو ان کی طرف پھیر کر بہت غصے سے کہا۔ موقوف است بیرون برآمدہ نمی توانی (یعنی تمہارے لئے باہر جانا منع ہے) یہ بے چارے ڈر کر پریشانی کی حالت میں واپس آئے، جب دن نکلا تو ہم نے دیکھا کہ ہم سب کے سب نظر بند ہیں، اور ہم پر ہتھیار بند سپاہیوں کا پہرہ لگا ہوا ہے"

مصنف لکھتے ہیں: یہ نظر بندی چار سال یعنی ۱۹۱۹ء تک رہی، جب کہ امیر حبیب اللہ خان قتل کئے گئے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی، امیر حبیب اللہ کے پرائیویٹ سیکرٹری علی احمد خان کی نظر سے پنجاب کے گورنر سر مائیکل اڈوائر کا ہمارے بارے میں ایک اعلان گزرا تھا، اُس نے برطانوی حکومت کو خوش کرنے کے لئے نظر بندی کا حکم صادر کر دیا اور جب ایک بار اس طرح کا حکم صادر ہو گیا تو پھر کون کسی کا پُرسانِ حال ہوتا۔

یہ نوجوان اپنے مستقبل کو تج کر اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر شوقِ جہاد میں ایک اسلامی مملکت میں پہنچے تھے تاکہ وہ کفار کے خلاف لڑیں، لیکن اُس دور میں افغانستان کو اُنہوں نے کیسا پایا۔ آپ بیتی حصہ اوّل میں اس کی پوری تفصیل ہے، یہ تفصیل بڑی ہی دل دوز ہے اور ان نوجوانوں کو افغانستان میں جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اُنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں کہ "اُس وقت ہم کو اور ہماری طرح ہندوستانی مسلمان لیڈروں کو یہ خیال تھا کہ افغانستان ایک قومی اسلامی ملک ہے، اور اگر وہ لڑائی میں شریک ہوکر ہندوستان پر حملہ کرے تو وہ انگریزوں کو ضرور ہندوستان سے نکال دے گا۔" لیکن افغانستان پہنچ کر اُن پر یہ کھلا کہ وہاں کا فرمان روا تو انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے، اور اُن کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔

جناب ظفر حسن صاحب سات سال کابل رہے، اس دوران اُن کی مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم سے ملاقات ہوئی، اور وہ حضرت مولانا کے عقیدت مند اور مخلص ترین اور جاں نثار ساتھی بن گئے۔ نیز جنرل محمد نادر خان سے جو بعد میں امان اللہ خان کے بعد افغانستان کے بادشاہ بنے، اُن کا رابطہ ہوا جنہوں نے مصنف کو اپنے عزیزوں کی طرح سمجھا، اور ان کی ہر طرح سے مدد کی، مصنف نے جنرل نادر خان کی معیت میں جنگِ افغانستان میں حصہ لیا، اور تھل کے محاذ پر وہ انگریزوں کے خلاف لڑے، جناب ظفر حسن صاحب نے جنرل نادر خان کی شرافت اور بلند اخلاق کا بار بار ذکر کیا ہے۔

جب تک حکومتِ افغانستان کی انگریزوں سے ٹھنی رہی، مولانا سندھیؒ، ظفر حسن صاحب اور دوسرے "ہندوستانی مجاہدین" کی ضرورت تھی، لیکن انگریزوں سے سمجھوتے کے بعد انگریز پرست افغان ان کے مخالف ہو گئے، اور انہیں طرح طرح سے تنگ کرنے لگے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:۔

"حکومت افغانستان نے اب انگریزوں سے صلح کر کے ہندوستانی قوم پرستوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا...... قبلہ مولانا مرحوم کے لئے صرف دو طریقے باقی رہ گئے۔ (۱) افغانستان میں بالکل خاموش بیٹھ جائیں، اور باقی زندگی سیاست سے کنارہ کشی کر کے بالکل بے کار گزار دیں، یہ طریقہ کار اُن کی سیاسی موت کے مرادف تھا۔ (۲) افغانستان چھوڑ کر کسی اور ملک میں رہیں، اور وہاں سے انگریزوں کے برخلاف اپنا کام جاری رکھیں۔"

آخر افغانستان چھوڑ کر روس کے راستے ترکی جانے کا فیصلہ کیا گیا، اور سات سال کے بعد ۱۹۲۲ء کو یہ قافلہ عازم روس ہوا۔

آپ بیتی حصہ اول میں یہاں تک کے حالات درج ہیں۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو یہ قافلہ دریائے آمو میں ایک کشتی پر سوار ہوا، اور یہاں سے آپ بیتی حصہ دوم شروع ہوتی ہے، اس وقت روسی انقلاب کو پانچ سال ہو چکے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی ہر جگہ افراتفری پھیلی ہوئی تھی، بخارا کا حال وہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"بخارا جو ایک زمانے میں اسلامی تہذیب اور علم کا مرکز تھا، جہاں امام بخاری جیسے جید عالم پیدا ہوئے تھے، اور جہاں ابن سینا اور شیخ نقشبندی جیسے فلاسفر، حکیم اور صوفی رہ چکے تھے، آج بالکل ایک ویرانہ سا قصبہ ہو گیا تھا۔ پُرانے مدرسے اور مسجدیں خراب حالت میں پڑی ہوئی تھیں۔"

بخارا سے یہ قافلہ تاشقند پہنچا، جہاں اُس وقت کمیونزم کی تعلیم کے لئے ایک مشرقی یونیورسٹی قائم تھی، طالب علموں میں "ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان آئے ہوئے اور پھر وہاں کے حالات سے بددل ہو کر روس پہنچے ہوئے بعض مسلمان نوجوان بھی تھے، جن کو ہندوستان میں کیونسٹ انقلاب کرانے کے لئے تعلیم دی جا رہی تھی۔

۱۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو مولانا سندھیؒ، مصنف اور ان کے دوسرے ساتھی ماسکو پہنچے، ظفر حسن صاحب نے ماسکو یونیورسٹی میں داخلہ لیا، آپ بیتی میں ماسکو میں رہنے والے ہندوستانیوں کے حالات تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:۔

"میں ہر روز شام کے وقت یونیورسٹی کے لکچر ختم ہونے پر .... اُس روز پڑھے ہوئے سبقوں کا خلاصہ قبلہ مولانا صاحب کو سنایا کرتا تھا۔ جس سے اُن کو کیونسٹ نظریوں، کیونسٹ اُصول حکومت ..... کے بارے میں آہستہ آہستہ کافی سے زیادہ معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ یہ معلومات اُن کے لئے دو سال بعد جب انھوں نے استانبول میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کے لئے پروگرام بنایا اور آزاد ہندوستانی فیڈرل گورنمنٹ کا خاکہ کھینچ کر اس کو ایک رسالے کی شکل میں چھاپ کر خفیہ طور پر ہندوستان بھیجا، بہت مفید ثابت ہوئیں (یہ رسالہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی طرف سے ضبط کر لیا گیا تھا) اس سلسلے میں کیونسٹ تعلیم کے وہ پہلو جو اسلامی احکام اور عقائد کے خلاف تھے، وہ بھی قبلہ مولانا صاحب پر واضح ہو گئے تھے، میرے دل میں اس مُضر تعلیم کی وجہ سے اسلام کے بارے میں جو شک و شبہ اور ذہنی تشویش پیدا ہو سکتی تھی، میں اس کو قبلہ مولانا صاحب کی خدمت میں عرض کر کے

ان سے اس کا شافی اور اطمینان بخش جواب اور صورتِ حل پوچھ لیا کرتا تھا، اس لئے خداوند کریم کے فضل سے میرے ایمان میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا "

اُس دور کے ماسکو کی، مصنف نے بڑی واضح تصویر پیش کی ہے۔ لینن گراڈ میں وہ مولانا سندھیؒ کی معیت میں علامہ موسیٰ جار اللہ کے ہاں بھی رہے، علامہ مرحوم بعد میں روس سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے اور کافی عرصہ مرحوم نے برصغیر پاک و ہند میں گزارا تھا۔ اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں:۔

" لینن گراڈ میں موسیٰ جار اللہ صاحب کے گھر رہتے ہوئے مجھے نماز بالکل آزادی سے پڑھنا نصیب ہوئی۔ ماسکو یونیورسٹی میں تو نماز اور روزے کا نام لینا بھی ممکن نہ تھا ..... "

ظفر حسن صاحب کا دل ماسکو میں نہ لگا، بقول اُن کے " روس کی لامذہب حکومت کے ماتحت دو سال رہنے سے میری طبیعت بہت تنگ آگئی تھی اور میرے دل میں ایک ایسے ملک کی فضا میں زندگی بسر کرنے کی تمنا روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ جہاں ضمیر کی آزادی ہو اور جہاں انسان اپنے مذہبی اور سیاسی عقائد پر کھلم کھلا عمل کر سکے اور ان کا اظہار بھی کر سکے "۔ اتفاق سے اُنھیں ماسکو والوں نے اس بنا پر ترکی جانے کی اجازت دے دی کہ وہ مولانا سندھیؒ کو اپنے پروگرام کو زیادہ تجدد پسند اور ریڈیکل بنانے میں مدد دے سکیں گے۔ آخر وہ استانبول پہنچ گئے، وہ لکھتے ہیں :۔ " خدا نے مجھے دنیا کے خوب صورت ترین قدرتی مناظر کے بیچ میں بسے ہوئے اس شہر میں آنے کا موقع دیا جس کی فتح کی خوش خبری مسلمانوں کو رسول اللہ (صلعم) نے .... دی تھی "

استانبول میں ظفر حسن صاحب مولانا سندھی کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے، اُنھوں نے ہندوستان کے مختلف رہنماؤں کے استانبول میں آنے کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک نوجوان عبدالرحمٰن پشاوری کے کوائف نہایت دلچسپ بھی ہیں اور حسرت ناک بھی، موصوف پشاور کے ایک متمول اور نامور خاندان کے فرد تھے، علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے، وہ ڈاکٹر انصاری کے بلقان طبی وفد کے ساتھ ترکی گئے اور وہیں رہ پڑے۔ انہوں نے جنگِ عظیم اوّل کے دوران ترکوں کے لئے بڑی خدمات انجام دیں۔ آخر میں استانبول میں وہ ایک رات کسی نامعلوم قاتل کے ہاتھ سے شہید کر دیئے گئے۔

مولانا سندھیؒ نے استانبول سے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا جس میں انہوں نے اپنا سیاسی پروگرام دیا تھا۔ مصنف نے اس پروگرام کا انتخاب دیا ہے۔ اس کی ایک دفعہ ملاحظہ ہو :۔ " یہ جمہوری ملک مرکزی وفاقی (فیڈرل) حکومتِ ہند میں شامل ہونے سے پہلے اگر چاہیں تو اپنے تمدن اور رسم و رواج کی وحدت کی بنا پر باہم مل کر خود ایک وفاقی نظام میں منسلک ہو سکتے ہیں، مثلاً مغربی پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، سندھ، بلوچستان آپس میں مل کر اور ایک وفاقی

نظام بنا کر مرکزی حکومتِ ہند میں شامل ہو سکتے ہیں ......"

زیرِ نظر کتاب میں ظفر حسن صاحب نے استانبول کی علمی و ادبی سرگرمیاں اور دوسرے کوائف تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ایک باب کا عنوان ہے۔ ترکی میں اصلاحات اور کمالسٹ انقلاب، یہاں اس باب سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

لکھتے ہیں:۔ یہاں بعض احکامِ دینی کی پابندی تو بڑی سختی سے ہوتی ہے...... اگر کوئی شخص اعلانیہ رمضان کے مہینے میں کھائے پئے یا سگرٹ کشی کرے تو اس کو سزا کے طور پر کوڑے لگائے جاتے تھے، لیکن اس کے خلاف لوگوں میں شراب خوری کی عادت بہت زیادہ تھی......

ملک میں مذہبی تعصب اتنا تھا کہ علماء نے قرآن شریف کا ترکی میں ترجمہ کرنا ناجائز قرار دے دیا تھا..... ترکی میں قرآن شریف کا ترکی ترجمہ صرف بیسویں صدی عیسوی میں چھپا اور اس کی بھی ملاؤں نے بہت مخالفت کی..... یورپ میں سنہ ۱۴۵۰ء میں جرمنی میں چھاپہ خانہ ایجاد ہوا، ترکی میں علماء نے اس چھاپہ خانے کے کھولنے کی مخالفت کی۔

پھر اجتہاد کا دروازہ بند تھا، جس سے مسلمانوں میں زمانے کی رفتار کے مطابق نئے خیالات اور نئے فلسفے جاری ہونے اور احکام میں زمانے کی ضرورتوں کے مطابق تبدیلیاں کرنے کا امکان باقی نہ رہا تھا......

الغرض یہ تھے اسباب، جن کا ردِّ عمل کمالسٹ انقلاب کی صورت میں ہوا۔

ظفر حسن صاحب برطانیہ کے باغی تو تھے ہی، وہ افغانی پاسپورٹ پر ترکی پہنچے تھے، بعد میں افغان حکومت نے اُن کی برطانیہ دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے اُن کے پاسپورٹ کی تجدید کرنے سے انکار کر دیا، آخر میں وہ ترکی رعایا ہو گئے، اور اب تک وہ ترکی رعایا ہیں، اور استانبول میں مقیم ہیں۔

ظفر حسن صاحب کی آپ بیتی کے دونوں حصے ایسی کتابیں ہیں کہ برصغیر کی عمومی و اسلامی تاریخ کا کوئی طالب علم اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ یہ اُس دَور کو پیش کرتی ہیں، جس کے بارے میں اب تک بہت کم لکھا گیا ہے۔

طابع۔ ظہیر الدین — مطبع۔ استقلال پریس لاہور

ناشر۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، لال کرتی، راولپنڈی